# مسلم پرسنل لا

اور

# یکساں سول کوڈ

شمس پیرزادہ

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

مطبوعات اشاعت اسلام ٹرسٹ — ۴۱

# مُسلم پرسنل لا

اور

# یکساں سِول کوڈ





از

شمس پیرزادہ

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

# عنوانات




بار سوم —— جنوری ۱۹۷۳ء —— ۱۸۰۰۰ = ۶۰۰۰ + ۱۲۰۰۰

قیمت —— ۵۰ پیسے

مطبوعہ لبرٹی آرٹ پریس دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تمہید

مسلم پرسنل لا کا مسئلہ جس شدت کے ساتھ اُبھر کر سامنے آگیا ہے اور اس نے اضطراب اور بے چینی کی جو کیفیت مسلمانوں کے اندر پیدا کر دی ہے اس کو دیکھ کر وہ لوگ جو تجدد پسند اور نئی تہذیب کے دلدادہ ہیں یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اس مسئلہ کو غیر ضروری اہمیت دی جا رہی ہے اور ان کا اضطراب میں مبتلا ہونا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کے اضطراب کی وجہ محض ان کی قدامت پسندی اور اپنے مذہب سے زائد از ضرورت لگاؤ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے معاشرتی شعبہ کو بھی اسی طرح مذہب سے آزاد ہونا چاہیے جس طرح کہ سیاست اور معیشت وغیرہ کے شعبوں کو آزاد کر دیا گیا ہے۔ جس سیکولرزم کا سکہ سیاسی اور معاشی دنیا میں رائج ہو گیا ہے اس کو "گھر" میں بھی رائج کیا جانا چاہیے۔ اس فکر کے لوگ اسلام کو بھی دیگر مذاہب کی صف میں رکھتے ہیں اور اس کی یہ حیثیت کہ وہ اللہ کا نازل کردہ دین ہے اور ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت رکھتا ہے ان کی عقل کی گرفت میں نہیں آسکی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے معاشرتی قوانین اگر اللہ کے نازل کردہ ہوں بھی تو اس میں ترمیم کا حق انسان کو بہر حال ہونا چاہیے۔ پھر ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے جو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور ایسے ہی کچھ لوگ مسلم پرسنل لا کی حمایت میں مسلمانوں کے آواز اٹھانے اور اس میں مداخلت

کی کوششوں کے خلاف احتجاج کو بلاوجہ کا واویلا قرار دینے لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلم پرسنل لا کا مطلب محض ایک سے زائد شادی کرنے کی آزادی کا قانون ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنے کی اجازت اسلام نے عدل کی شرط کے ساتھ دی ہے اور یہ محض اجازت ہے نہ کہ حکم، اس لئے اگر ایک سے زائد شادی پر پابندی کا قانون بنایا جاتا ہے تو اس سے شریعت پر کونسا حرف آتا ہے؟۔ ان کے نزدیک مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے اور مشترکہ سول کوڈ کو نافذ کرنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ ان کے خیال میں یہ تبدیلی شادی بیاہ کے محدود معاملات کی حد تک ہوگی۔ ان حضرات کو نہ مسلم پرسنل لا کے دائرہ کا صحیح اندازہ ہے اور نہ یکساں سول کوڈ کے دائرہ کا۔ وہ نہ مسلم پرسنل لا کی دینی اہمیت کو سمجھ سکے ہیں اور نہ اس بات کا انہیں اندازہ ہے کہ یکساں سول کوڈ Uniform Civil Code کے نتیجہ میں شریعت اسلامیہ کے کون کون سے اصول و احکام ترمیم و تنسیخ کی زد میں آجائیں گے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلم پرسنل لا اور اس کی اہمیت کو واضح کیا جائے اور یکساں سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل کا جائزہ لیا جائے۔ نیز واضح کیا جائے کہ اگر یکساں سول کوڈ کو مرتب کرنے اور نافذ کرنے کی نوبت آگئی تو اس کے خدوخال کیا ہوں گے اور وہ مسلمانوں کے لئے کیسے کیسے مسائل اور کس قدر پریشانی کا موجب ہوگا۔ اس لئے ان کی یہ تشویش اور بے چینی غلط نہیں ہے بلکہ جس دین کے وہ حامل ہیں اس پر ایمان رکھنے کا فطری تقاضا ہے۔

# مسلم پرسنل لا کیا ہے

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کی تاریخ مختصراً یہ ہے کہ مغلیہ دور حکومت میں اسلام کا قانون، ملک کا قانون Law of the Land تھا یعنی سول قانون ہی نہیں بلکہ فوجداری قانون Criminal Law بھی اسلام ہی کا نافذ تھا اور اسی کے مطابق عدالتوں کا نظم چلایا جاتا تھا البتہ غیر مسلموں کو شادی بیاہ، وراثت اور جائداد وغیرہ کے سلسلے میں ان کے اپنے مذہبی اور رواجی قانون پر چلنے کی پوری آزادی تھی یعنی ان کیلئے ان کا اپنا پرسنل لا تھا اور مسلمانوں کے لئے ان کا اپنا پرسنل لا۔ ۱۷۶۵ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے عدالتوں کی از سر نو تنظیم کی تو انگریز جج قانون دانوں کی مدد سے اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ بعد میں رفتہ رفتہ انگریزی قانون رائج ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۸۶۲ء میں اسلام کے فوجداری قانون Criminal law کو ختم کر کے انڈین پینل کوڈ Indian Penal Code نافذ کر دیا گیا اور جو آج بھی اسی نام سے رائج ہے۔ نکاح، طلاق اور وراثت ہبہ وغیرہ عائلی اور شخصی امور کی حد تک اسلامی قانون کو باقی رہنے دیا گیا[1] لیکن غیر اسلامی تہذیب کے زیر اثر مسلمانوں کی بعض برادریوں میں رواجی قوانین نے اسلامی قانون کی جگہ لے لی تھی مثلاً ہندو تہذیب کے زیر اثر عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا اس لئے علمائے کرام اور عام مسلمانوں کے مطالبہ پر انگریزوں کے دور حکومت میں ۱۹۳۷ء میں مسلم پرسنل لا Muslim Personal Law (Shariat) Application Act 1937 کا نفاذ عمل میں آیا۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ Chamber's Encyclopeadia Vol. IX P. 468

مسلم پرسنل لا میں جس کا دوسرا نام شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء ہے کہا گیا ہے کہ شادی بیاہ، مہر، نان ونفقہ، طلاق، خلع، فسخ نکاح، ولایت، ہبہ، وراثت اور اوقاف کے سلسلہ میں جہاں فریقین مسلمان ہوں فیصلہ کا قانون Rule of Decision مسلم پرسنل لا (شریعت) ہوگا۔

اس کے بعد ۱۹۳۹ء میں قانون انفساخ نکاح مسلمین Dissolution of Muslim Marriages Act 1939 کا نفاذ ہوا جس میں وہ اسباب و وجوہ Grounds متعین کئے گئے جن کی بنیاد پر ایک مسلمان عورت اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر شوہر چار سال سے مفقود الخبر ہے یا دو سال سے نان نفقہ ادا نہیں کرتا یا ظلم وزیادتی کا برتاؤ کرتا ہے یا ایک سے زائد بیوی کی موجودگی میں ان کے درمیان قرآن کی ہدایت کے مطابق عدل نہیں کرتا یا امراض خبیثہ میں مبتلا ہے تو اس کی بنیاد پر عورت عدالت سے فسخ نکاح کا فرمان ( Decree ) حاصل کر سکتی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ مسلم پرسنل لا کا تعلق نکاح، طلاق، خلع اور وراثت وغیرہ کے شرعی احکامات سے ہے اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں اسلام کا صرف ضابطۂ نکاح و طلاق ہی نہیں آتا بلکہ پورا وراثتی نظام بھی آجاتا ہے۔ ان امور سے متعلق جو معاملہ بھی نزاعی قرار پائے گا عدالت اس کا فیصلہ شرعی قانون کے مطابق کرنے کی پابند ہے مثلاً اگر کوئی عورت مرد کے ظلم سے تنگ آگئی ہے اور مرد خلع کے لئے راضی نہیں ہوتا تو عورت عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا اگر عورت کو اس کا وراثتی حق نہیں دیا جاتا جو اسلام نے اس کے لئے مقرر کیا ہے تو وہ عدالت کے ذریعہ اپنا یہ حق حاصل کر سکتی ہے۔

اگرچہ مسلم پرسنل لا کی تدوین Codification نہیں کی گئی ہے لیکن چونکہ

اصولی طور پر شریعت کو فیصلہ کا معیار تسلیم کر لیا گیا ہے اس لئے اسلامی فقہ کو قانون کا درجہ حاصل ہے اور عدالت کی سہولت کے لئے انگریزی میں محمڈن لا پر متعدد کتابیں شائع ہو گئی ہیں۔ مثلاً ملا کی Principles of Mohammadan Law اور اے۔ اے فیضی کی Outlines of Mohammadan Law بہت مشہور ہیں۔

حنفی فقہ کی مشہور اور مستند کتاب ہدایہ کا بھی انگریزی میں ترجمہ شائع ہو گیا ہے جس کا حوالہ پیش کر کے وکلاء عدالتوں سے فیصلہ طلب کرتے ہیں اور عدالتوں کو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورت حال آزادی کے بعد بھی برقرار رہی اور اللہ کے فضل سے اب تک قائم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جزئیات اور تفصیلات میں اسلامی قانون کا منشاء موجودہ عدالتوں کے ذریعہ ٹھیک طور سے پورا نہ ہو رہا ہو اور موجودہ نظام میں اور بحالاتِ موجودہ اس کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔

○

# مسلم پرسنل لا کی اہمیت

نکاح، طلاق، خلع اور وراثت جیسے امور ایسے نہیں ہیں کہ ان کے سلسلے میں کوئی سا طریقہ اختیار کرنے اور اپنی خواہشات کے مطابق قانون سازی کرنے کی اسلام آزادی دیتا ہو بلکہ ان میں سے ہر مسئلہ میں قرآن کریم کے صریح احکام موجود ہیں اور ان احکام کو بیان کرنے کے بعد ان کی پابندی کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی گئی ہے مثلاً نکاح کے احکام بیان کرنے کے بعد قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔ کِتَابَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ (نساء ۲۴) "یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم ہے" طلاق اور خلع کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ ۲۲۹) "یہ اللہ کے حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔" وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ (نساء ۱۱) یہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے" اور نظام وراثت کا بیان جس آیت پر ختم ہوتا ہے وہ یہ ہے:۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (نساء ۱۴)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کے حدود سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہو گا۔"

قرآن کریم میں جو معاشرتی احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جو سنت کہلاتی ہے اور فقہائے امت نے کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہادات کیے ہیں اور اسلامی فقہ کو مرتب کیا ہے۔ کتاب و سنت کے احکام جو معاشرتی اور عائلی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں شریعت اسلامیہ کا اہم ترین اور غیر منفک جزء ہیں اور ان کی حیثیت اللہ کے قانون اور اس کے فرمان کی ہے۔ شریعت کی کامل اتباع کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً (بقرہ۔ ۲۰۸) | "اے ایمان لانے والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔" |
| اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ (اعراف ۳) | "تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کی پیروی نہ کرو۔" |
| وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکَ (مائدہ ۴۹) | "اے پیغمبر! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر بعض ان احکام سے منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کیے ہیں۔" |

کسی مسلمان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ کے احکام و قوانین کی موجودگی میں وہ اپنی پسند کا کوئی قانون بنائے یا اپنی پسند کے راستے پر چلے:۔

| | |
|---|---|
| وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ | کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کر دینے کے بعد اپنے |

مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب - ۳۶) اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا -

جو لوگ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے انہیں کافر ظالم اور فاسق کہا گیا ہے. اسی طرح دین کے ایک جزء کو لینے اور دوسرے کو چھوڑ دینے کے بارے میں سخت تہدید کے ساتھ فرمایا ہے -

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ - ۸۵) "پھر کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصہ سے انکار کرتے ہو"

سورہ نساء میں معاشرتی احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور اسی سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے صاف طور سے فرمایا ہے :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء ۶۵) "(اے پیغمبر!) تمہارے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایسا نہ ہو یہ اپنے باہمی اختلافات میں تمہیں حَکَم مان لیں پھر تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ تمہارا فیصلہ سربسر تسلیم کر لیں۔"

مسلم پرسنل لا کے مخالفین کہتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا کا جزو شریعت ہونا اسکو ختم کرنے میں مانع نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس سے پہلے اسلام کے تعزیراتی قانون ( Criminal Law ) کو بھی شریعت کا جزو ہونے کے باوجود ختم کیا جا چکا ہے اور اس وقت ملک میں غیر اسلامی قانون تعزیرات رائج ہے۔ یہ استدلال بھی عجیب ہے! اگر کسی شخص کو گندی ہوا میں سانس لینا پڑے تو اس کا مطلب یہ کہاں ہوا کہ جو صاف ہوا میسر آتی ہو اس کو بھی بند کر دیا جائے۔ اور صرف گندی ہوا کا انتظام کیا جائے؟ اسلام کا کوئی قانون خواہ وہ تعزیراتی ہو یا معاشرتی یا اور کسی قسم کا اپنی جگہ پوری اہمیت رکھتا ہے اور یکساں طور سے احترام کا مستحق ہے۔ کسی بھی قانون شریعت کو ختم کرنے کا سوال ایک مسلمان کے

ذہن میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اگر حالاتِ زمانہ نے اسلام کے تعزیراتی قانون کی بجائے کوئی دوسرا قانون ان پر مسلط کر دیا ہو تو یہ صورت حال اس بات کے لئے وجہ جواز فراہم نہیں کرتی کہ اسلام کے قانون کا جتنا حصہ باقی رہ گیا ہے اس کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے پھر جو فرق تعزیراتی قوانین اور معاشرتی قوانین کے درمیان پایا جاتا ہے اس کو یہ حضرات بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ تعزیراتی قوانین کا تعلق اصلاً حکومت سے ہوتا ہے۔ مثلاً چور یا زانی کو سزا حکومت ہی دے سکتی ہے۔ افراد نہیں دے سکتے لیکن معاشرتی قوانین پر افراد کو اپنے طور سے عمل کرنا ہوتا ہے اور حکومت سے ان کا تعلق محض ثانوی حیثیت کا ہوتا ہے یعنی فصل مقدمات وغیرہ کے پہلو سے۔ مزید براں اسلام کے معاشرتی قوانین کو ختم کرنے کی صورت میں افراد کی اپنی اخلاقی حیثیت کے متاثر ہو جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے ہی دی۔ درآنحالیکہ قانوناً طلاق ممنوع قرار دی جا چکی ہو تو وہ بیوی شرعاً اس شخص کی نہیں رہے گی لیکن قانون کی مجبوری سے وہ اس کی بیوی قرار پائے گی ظاہر ہے کہ اس سے عورت اور مرد دونوں کی اخلاقی حیثیت متاثر ہو گی۔ بخلاف اس کے تعزیراتی قوانین کا تعلق محض مجرمین کو سزا دینے سے ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام کے تعزیراتی قوانین کے عدم نفاذ کو مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

○

# دستور ہند کی دفعہ (۴۴)

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے ملک میں جو تحریک چلائی جارہی ہے اس کا منشا در اصل مسلم پرسنل لا کو پوری طرح ختم کرنا اور اس کی جگہ ایک ایسے سول کوڈ کو نافذ کرنے کے لئے راہ ہموار کرنا ہے جو تمام فرقوں کے لئے یکساں ہو، جس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ ہو اور اسلام کا یا کسی اور مذہب کا عائلی قانون باقی نہ رہے۔ اس تحریک کی بنیاد تو اصلاً مغربی تہذیب اور مادہ پرستانہ نظریہ حیات ہے لیکن دستور ہند دفعہ (۴۴) نے جو رہنما اصولوں میں سے ہے۔ اس کے لئے اساس مہیا کردی ہے۔ دفعہ ۴۴ میں کہا گیا ہے کہ

The State shall endeavour to secure for citizens a Uniform Civil Code throughout the territory of India

"ریاست کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ ہو"۔

لیکن دستور کی یہ دفعہ دوسرے رہنما اصولوں کی طرح ریاست کے لئے محض ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے اور اس پر دستور کے بنیادی حقوق Fundamental Rights کو بہرحال فوقیت حاصل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"تمام لوگوں کو یکساں طور سے ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور اپنے مذہب کو آزادانہ طور پر اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا"۔ (دفعہ ۲۵)

مذہبی آزادی کی اس دفعہ کے پیش نظر کسی ایسے سول کوڈ کے لئے گنجائش نہیں ہونی چاہیے

جس سے کسی فرقہ کی مذہبی آزادی سلب ہوتی ہو اور اسے اس کے مذہب کی تعلیمات کے خلاف عمل کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ دین میں صریح مداخلت ہوگی اور اس کے بعد دستور کی اس ضمانت کا کہ لوگوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی آزادی ہوگی کیا مطلب رہ جائے گا؟ تعجب ہے کہ دستور کی اتنی اہم دفعہ کو نظر انداز کر کے دفعہ (۴۴) ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے۔

جہاں تک رہنما اصولوں Directive Principles کا تعلق ہے شراب بندی کا نفاذ بھی رہنما اصولوں میں شامل ہے اور اس کے نفاذ میں کوئی مذہب مانع نہیں ہے لیکن اس کے باوجود کتنی ہی ریاستیں ایسی ہیں جہاں اب تک اس کا نفاذ نہیں ہو سکا اور جن ریاستوں میں اس کو نافذ کیا گیا ان ریاستوں سے بھی رفتہ رفتہ اس کو رخصت کیا جا رہا ہے مثال کے طور پر کیرالا میں شراب بندی اٹھائی جا چکی ہے اور مہاراشٹر میں پہلے تو شراب بندی کے قانون کو بہت کچھ نرم کر دیا گیا اور اب حکومت اسکو بالکل ختم کرنا چاہتی ہے۔ آخر یہ کون سا انصاف ہے کہ دستور کے ایک رہنما اصول سے گریز کے لئے ساری تدابیر اختیار کی جائیں اور دوسرے رہنما اصول کو جو بڑی حد تک اختلافی ہے اور جس سے مذہب میں صریح مداخلت لازم آتی ہے نافذ کرنے پر اصرار کیا جائے۔

بہر حال جب تک دستور کی دفعہ (۴۴) باقی ہے یکساں سول کوڈ کی تحریک زور پکڑتی رہے گی اور مسلم پرسنل لا کے لئے برابر خطرہ بنی رہے گی خواہ ذمہ دارانِ حکومت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی نہ کرنے کا کتنا ہی یقین دلائیں اور کتنے ہی وعدے کرتے رہیں کیونکہ ذمہ داران حکومت کے وعدوں کا حال معلوم ہے۔

اور یہ یقین دہانیاں اس لئے کافی نہیں ہیں کہ ذمہ داری کے منصب پر فائز ہونے والے افراد جمہوری نظام میں بدلتے رہتے ہیں اور حکومتیں بھی بدلتی رہتی ہیں اس لئے اس کی کیا ضمانت کہ ذمہ داران حکومت آج جو وعدہ کر رہے ہیں اس کا ایفاء کل ان کے جانشین بھی کریں گے؟

لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ دستور کی یہ دفعہ یا تو حذف کر دی جائے یا اس میں ایسی ترمیم کر دی جائے کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی پوری ضمانت مل جائے۔

دستور ساز اسمبلی میں جس وقت دستور کی دفعہ (۴۴) پر غور ہو رہا تھا اس وقت مسلم ممبران پارلیمنٹ نے اس میں متعدد ترمیمات پیش کی تھیں۔ چنانچہ جناب محمد اسمٰعیل صاحب (مدراس) نے حسب ذیل ترمیم پیش کی تھی:-

Provided that any group, section or community of people shall not be obliged to give up its own Personal Law, in case it has such a law.
(Directive Principles in the Indian Constitution By K.C. Merkanden P. 193)

"مگر عوام کے کسی گروہ، حصہ یا فرقہ کو اس بات کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے پرسنل لا کو ترک کر دے اگر وہ ایسا کوئی قانون رکھتا ہو۔"

دوسری ترمیم جناب نذیرالدین احمد صاحب نے پیش کی تھی جس کی عبارت یہ تھی:-

Provided that the Personal Law of any Community which has been guaranteed by the State shall not be changed except with the previous approval of the Community ascertained in such manner as the Union Legislature may determine by law.
(do Page 193)

"لیکن کسی فرقہ کے پرسنل لا کو جس کی ریاست نے ضمانت دی ہے تبدیل نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس فرقہ سے پیشگی منظوری حاصل کر لی گئی ہو اس طریقہ پر جو مرکزی قانون ساز ادارہ نے بذریعہ قانون اس کے لئے مقرر کیا ہو۔"

موصوف نے اس ترمیم کو پیش کرتے ہوئے متنبہ کیا تھا کہ یہ دفعہ (دفعہ ۴۴) مذہبی

آزادی کی دفعہ سے متصادم ہے اور جو ضمانت اس میں دی گئی ہے اس کو شاید یہ دفعہ (۴۴) ختم کر دے گی

تیسری ترمیم محبوب علی بیگ صاحب بہادر (مدراس) نے پیش کی تھی جس کے الفاظ یہ تھے:۔

Provided that nothing in this Article shall affect the Personal Law of the Citizen (do P. 193)

"لیکن یہ دفعہ شہریوں کے پرسنل لا کو متاثر نہیں کرے گی ۔"

چوتھی ترمیم جناب بی۔ پوکر صاحب بہادر (مدراس) نے پیش کی تھی جو محمد اسمٰعیل صاحب کی ترمیم کے مشابہ تھی ۔

ان ترمیمات پر اس وقت دستور ساز اسمبلی میں گرما گرم بحثیں ہوئی تھیں جن میں کے۔ایم منشی، ایم۔آر۔مسانی، اے۔کے۔آئیر وغیرہ نے خاص طور سے حصہ لیا تھا۔ کے۔ایم۔منشی نے نے تو یہاں تک کہا تھا کہ:۔

It was the desire of the framers of the Constitution to divorce religion from Personal Law (do P. 195)

"اس دستور کی تشکیل کرنے والوں کی یہ خواہش رہی ہے کہ مذہب کو پرسنل لا سے طلاق دلوائی جائے ۔"

انہوں نے اپنی تقریر میں ترکی اور مصر کی اصلاحات کا بھی حوالہ دیا تھا لیکن ڈاکٹر امبیدکر نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا تھا کہ یکساں سول کوڈ ان پر زبردستی مسلّط نہیں کیا جائے گا ۔

انہوں نے کہا تھا کہ آئندہ پارلیمنٹ کا یہ کام ہے کہ وہ ایسا قانون بنائے کہ مشترکہ سول کوڈ کا اطلاق صرف ان لوگوں پر ہو گا جو یہ اعلان کریں گے کہ وہ اپنی رضامندی سے

اس کی پابندی قبول کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر امبیدکر کی اس یقین دہانی کے بعد مذکورہ بالا تمام ترمیمات مسترد کر دی گئی تھیں اور وہ مسودہ قانون منظور کر لیا گیا جو موجودہ دستور میں دفعہ (۴۴) کی شکل میں موجود ہے۔

جناب محمد اسمٰعیل صاحب (مدراس) نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے دستور کے بنیادی حقوق کی دفعات میں بھی درج ذیل شق کا اضافہ کرانا چاہا تھا:۔

> To follow the Personal Law of the groups or community to which he belongs or professes to belong (Constituent Assembly Debates Vol: VII P. 721)

"(اس کو اس بات کی بھی آزادی حاصل ہوگی کہ) وہ جس گروہ یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہے یا تعلق رکھنا چاہتا ہے اس کے پرسنل لا پر عمل کرے۔"

لیکن دستور ساز اسمبلی نے اسے بھی منظور نہیں کیا اور اب ہم اس خطرہ سے دوچار ہیں جسکو دستور سازی کے موقع ہی پر محسوس کر لیا گیا تھا۔ رہی ڈاکٹر امبیدکر کی یقین دہانی تو شاید حکمراں طبقہ کو وہ یاد بھی نہ رہی ہو کجا یہ کہ وہ اس کو کوئی اہمیت دیں۔ اس لئے اب ضرورت مزید یقین دہانیوں کی نہیں بلکہ اس بات کی ہے کہ دستور میں ترمیم کر کے واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو یہ ضمانت دی جائے کہ ان کو اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی جب تک دستور میں اس قسم کی ترمیم نہیں کرائی جاتی یکساں سول کوڈ کی تلوار مسلم پرسنل لا کے اوپر لٹکتی رہے گی!

# ریاست کا سیکولر کردار

مسلم پرسنل لا کے مخالفین اپنی تائید میں ریاست کے سیکولر کردار کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سیکولرزم کا صریح تقاضا یہ ہے کہ تمام شہریوں کے عائلی قوانین میں یکسانیت ہونی چاہیئے مختلف فرقوں کیلئے الگ الگ عائلی قوانین (Family Laws) ان کے درمیان امتیاز پیدا کرنے (Discrimination) کے ہم معنی ہے جو ریاست کے سیکولر کردار کے منافی ہے۔ سیکولرزم کے ان انتہاپسندوں (Ultra Secularists) سے کوئی پوچھے کہ کیا دنیا کے نقشہ پر بھارت ہی سیکولر ملک ہے یا اور بھی سیکولر ممالک ہیں؟ ان کو شاید معلوم نہیں کہ کتنی سیکولر حکومتیں ایسی ہیں جنھوں نے مسلم پرسنل لا کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے۔ مثال کے طور پر تھائی لینڈ کو لیجیے جہاں بدھ مذہب کے پیرووں کی اکثریت ہے اور وہاں حکومت نے ان کے عائلی قوانین میں اصلاحات بھی کی ہیں لیکن اس کا دائرہ بدھسٹوں تک محدود رکھا ہے اور مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کرکے انہیں اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی دے رکھی ہے۔ یہی حال برما کا ہے اور یونان میں تو مسلم پرسنل لا کا نفاذ مفتی حضرات کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ افریقی ممالک ایتھوپیا، گھانا، گولڈ کوسٹ اور یوگنڈا میں بھی مسلم پرسنل لا کو برقرار رکھا گیا ہے[1]۔ ان ممالک میں سے اکثر ممالک کا دستور سیکولر ہے اور بعض ریاستیں تو کمیونزم کا نظریہ رکھتی ہیں لیکن جب ان کا سیکولر ہونا مسلم پرسنل لا کو باقی رکھنے میں مانع نہیں ہوا تو ہندوستان کا سیکولر ہونا اس میں کیوں مانع ہو؟

○

---

[1] ملاحظہ ہو۔ Family Law Reform in the Muslim World by Tahir Mahmood P 4

# قومی یکجہتی

جب کبھی فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے اور ملک کے سیاست داں اس پر اظہار خیال کرنے لگتے ہیں تو اکثر ٹیپ کا بند یہ ہوتا ہے کہ قومی یکجہتی کے لئے یکساں سول کوڈ (Uniform Civil Code) ضروری ہے۔ گویا فسادات مسلم پرسنل لا کی وجہ سے ہوتے رہتے ہیں۔ اگر اس کو ختم کرکے یکساں سول کوڈ نافذ کر دیا جائے تو فسادات کا یہ سلسلہ رک جائے گا۔ یہ تشخیص اگر نیم حکیم جیسے لوگوں کی نہیں ہے تو بتایا جائے کہ مسلم پرسنل لا کی وجہ سے کب اور کہاں فرقہ وارانہ فساد ہوا ہے؟ ہزاروں فسادات میں سے کسی ایک فساد ہی کی نشاندہی کر دی جائے۔ اب تک جتنے کمیشن فسادات کی تحقیقات کے لئے مقرر کئے جا چکے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ فساد کا سبب مسلم پرسنل لا تھا؟۔ پھر فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لا کی بحث چھیڑنا کیا معنی رکھتا ہے؟

فسادات سے قطع نظر یوں بھی مختلف فرقوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے یکساں سول کوڈ کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جسٹس وای۔ وی۔ چندر چوڑ نے ایک موقع پر بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> One law of marriage for all would be an important step towards national integration.
> (Indian Express 21-1-67)

"تمام لوگوں کے لئے شادی کا ایک قانون قومی یکجہتی کی طرف اہم قدم ہوگا۔"

لیکن اصل میں یہ بالکل اُلٹی منطق ہے کیونکہ اس سے اقلیتی طبقہ کو جب یہ احساس ہوگا کہ اس کی مذہبی اور تہذیبی روایات ختم کی جارہی ہیں تو اس کا ردِ عمل اچھا نہیں ہوگا اس سے اقلیتی اور اکثریتی گروہوں کے تعلقات پر خراب اثر پڑے گا۔ اس کے برعکس اکثریتی طبقہ جو جمہوری نظام میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے اقلیت کے ساتھ وسعت کا معاملہ کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے اور مختلف فرقوں اور گروہوں کو زیادہ سے زیادہ مذہبی اور تہذیبی آزادی دی جائے تو ان کے درمیان تعلقات کافی خوشگوار ہوں گے اور اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یکجہتی پیدا کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ ورنہ قومی یکجہتی کے لئے جس منطق سے یکساں سول کوڈ کو ضروری قرار دیا جاتا ہے اس منطق سے تو یکساں پرستش کوڈ ( Uniform Worship Code) کو بھی ضروری ثابت کر دکھایا جاسکتا ہے۔ مسجد اور مندر کا جھگڑا باقی ہی کیوں رہنے دیا جائے؟ ان سب کو ختم کرکے قومی عبادت گاہیں (National Temples) کیوں نہ بنائی جائیں جہاں تمام فرقوں کے لوگ ایک صف میں کھڑے ہوکر قومی ضابطہ (National Code) کے تحت مشترکہ پرستش کریں اور یہ پرستش بھی خدا کی نہیں بلکہ قوم (Nation) کی ہونی چاہیے۔ کیونکہ جہاں خدا کا نام آیا عقیدے کی بحثیں وہیں سے کھڑی ہوگئیں اور اسی بحث سے فرقے وجود میں آتے ہیں اور فرقوں سے پھر فرقہ پرستی پیدا ہوجاتی ہے! لہذا نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری کے بمصداق ان سب چیزوں کو ختم کرنا قومی یکجہتی کے لئے ضروری ہے!!

معلوم نہیں اتنی سیدھی بات کہتے ہوئے یہ سیاست داں کیوں جھجک محسوس کرتے ہیں!

# تہذیبِ جدید کے تقاضے

مسلمانوں کا ایک محدود طبقہ جو اگرچہ کہ تعداد کے لحاظ سے بہت قلیل ہے لیکن جس نے "نئی روشنی" میں آنکھیں کھولی ہیں جدید رجحانات کے مطابق مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا حامی ہے۔ اسکی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ شرعی قوانین واقعی ظالمانہ ہیں اور مسلم معاشرہ میں جو خرابی پائی جاتی ہے وہ ان کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان میں اصلاحات کی ضرورت حقیقتاً پیش آگئی ہے۔ ایسا ہونا ممکن ہی کیونکر ہے جبکہ شرعی قوانین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں جو بندوں کے مصالح سے بخوبی واقف ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس طبقہ کی آنکھیں تہذیبِ جدید کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہوگئی ہیں اور انصاف و مساوات کے جو تصورات اسے مغربی تہذیب سے تحفہ میں ملے ہیں، ان کے پیش نظر وہ اسلام کے معاشرتی اصولوں کو ناقص خیال کرنے لگتا ہے۔ اس کی نظر میں اسلام کا معاشرتی نظام اب فرسودہ ہوگیا ہے کیونکہ وہ جدید رجحانات سے مطابقت نہیں رکھتا اس لئے وہ اس بندھن سے آزاد ہو کر جدید رجحانات کے مطابق معاشرتی نظام تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں عورت اور مرد، دونوں کو یکساں حیثیت حاصل ہے۔

اگر اس طبقہ کے لوگ کھلے ذہن سے اسلام کے معاشرتی نظام کا مطالعہ کرتے اور انسان کی فطرت اور اس کی اخلاقی حیثیت کو نظر انداز نہ کرتے تو انہیں اسلام کے معاشرتی نظام میں کمال درجہ کا حُسن اور اعتدال نظر آتا۔ بلاشبہ اسلام نے مرد کو عورت پر ایک درجہ عطا فرمایا ہے اور یہ درجہ قوامیت کا ہے لیکن درجہ کی یہ فوقیت مرد کی فطری ساخت اور فطری

داعیات کے مطابق ہے اور اس کے بغیر خاندانی زندگی میں نہ کوئی نظم پیدا ہو سکتا ہے اور نہ اخلاقی اقدار باقی رہ سکتی ہیں۔ اسی بنا پر اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے نہ کہ عورت کو، البتہ عورت کو خلع کا حق ضرور دیا ہے۔ اسی طرح باپ کی جائداد میں لڑکے کی بہ نسبت لڑکی کا حصہ نصف رکھا گیا ہے کیونکہ معاش کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ اسی کو اپنے بیوی بچوں کے نان نفقہ کا انتظام کرنا ہے۔ نیز عورت اپنے شوہر سے مہر بھی پاتی ہے اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے حصہ میں تفریق کی جائے لیکن تہذیب جدید جو انصاف کے نام پر بے انصافی کی لاٹھی چلانا چاہتی ہے وہ کب اس کو حقیقت پسندی پر محمول کرے گی؟ وہ تو مساوات ہی کو سب کچھ قرار دیتی ہے۔ حالانکہ انسان کی فطرت مساوات کے اس انتہا پسندانہ تصور سے نا آشنا ہے باپ اور بیٹا انسان ہونے کی حیثیت سے یقیناً مساوی ہیں۔ اس کے باوجود باپ کو بیٹے پر برتری حاصل ہے اور بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ باپ کا لحاظ کرے۔ اسی لئے بیٹے پر باپ کی فرماں برداری لازم ہے لیکن اگر مساوات کے انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کو اختیار کر لیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ باپ بیٹے دونوں برابر ہیں، دونوں میں درجہ کا کوئی تفاوت نہیں ہے اور بیٹے کے لئے باپ کی فرماں برداری کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ ضروری ہے کہ بیٹا باپ کی فرماں برداری کرے تو انصاف اور مساوات کے تقاضے کے تحت یہ کیوں نہ ضروری سمجھا جائے کہ باپ بھی بیٹے کی فرماں برداری کرے؟

# مُسلم ممالک میں مُسلم پرسنل لا میں کی جانے والی تبدیلیاں

جو لوگ مسلم پرسنل لا میں جدید رجحانات و نظریات کے مطابق تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں وہ اکثر اس کے جواز میں مسلم ممالک کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں جب مسلمان ملکوں میں مسلم پرسنل لا میں تبدیلیاں کی گئی ہیں تو کیا ہندوستان کے مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے نرالے واقع ہوئے ہیں جو کسی تبدیلی کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے؟ یہ معترضین اصل میں صورت حال کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتے اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ ایک غلط تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلم ممالک میں بڑی تعداد ان ممالک کی ہے جہاں مسلم پرسنل لا میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے بلکہ شرعی قوانین ہی رائج اور نافذ العمل ہیں۔ سعودی عرب، یمن، بحرین، کویت، قطر، ابوظبی، ڈبئی، افغانستان، مالدیپ، گینی، سینگال، صومالیہ اور نائجیریا اس کی مثالیں ہیں۔ ان ممالک میں سے کسی ملک میں حنبلی فقہ نافذ ہے تو کسی ملک میں مالکی فقہ، کہیں فقہ حنفی کو قانون کا درجہ حاصل ہے تو کہیں فقہ شافعی کو سعودی عربیہ میں حنبلی فقہ کو قانون کا درجہ حاصل ہے بلکہ وہاں دستوری ہدایت کے مطابق یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کی قانون سازی کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یمن میں زیدی فقہ نافذ العمل ہے، جنوبی یمن میں شافعی یا حنفی قانون کی پیروی کی جاتی ہے، بحرین میں مالکی، شافعی اور شیعہ فقہ کا نفاذ متعلقہ افراد پر کیا جاتا ہے۔ کویت میں اسلام کا عائلی قانون نافذ ہے اور عام طور سے مالکی فقہ رائج ہے۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو Family Law Reform in the Muslim World by Tahir Mahmood P 3

افغانستان کے دستور کے مطابق وہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور تمام مذہبی امور حنفی فقہ کے مطابق انجام دیئے جاتے ہیں۔ مروجہ اسلامی قانون میں وہاں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ مالدیپ میں عائلی قانون شافعی مسلک کا رائج ہے۔ افریقی ممالک چاڈ، گمبیا، گینی، مالی، مارٹینیا، نائیجیر، سینگال اور صومالیہ میں اسلام کے عائلی قوانین میں تبدیلی کے لئے ابتک کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا ہے۔ نائیجیریا میں مالکی فقہ کو عائلی اور وراثتی قانون کا درجہ حاصل ہے۔

جن مسلم ممالک نے عائلی قوانین میں اصلاحات کی ہیں ان میں بیشتر اصلاحات کی نوعیت یہ ہے کہ یا تو مختلف فقہی مسالک میں سے کسی مسلک کی بات کو قانونی حیثیت دے دی گئی ہے یا پھر بعض تفصیلات کو قاعدہ اور ضابطہ کی شکل دے دی گئی ہے جن میں سے کتنے ہی قاعدے محض انتظامی نوعیت کے ہیں۔ صرف دو مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں اسلام کے عائلی قوانین کا خاتمہ کر کے سیکولرطرز کا سول کوڈ نافذ کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ یہ دو ممالک ترکی اور البانیہ میں۔ ترکی میں یہ تبدیلی ۱۹۲۶ء میں لائی گئی جبکہ اسلام کے عائلی اور وراثتی قوانین سے انحراف کر کے سوئٹزرلینڈ کے سول کوڈ کو نافذ کر دیا گیا۔ لیکن ترکی کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ وہاں مصطفےٰ کمال کے دورِ حکومت میں اسلام کا نقشہ کس طرح بگاڑا گیا اور کس جبر و تشدد کے ساتھ ریاست کی تشکیل لادینیت کی بنیاد پر کی گئی یہاں تک کہ عربی زبان میں اذان دینے تک کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس لئے ایسے ملک کی مثال پیش کرنے سے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے وجہ جواز فراہم نہیں ہوتی اور پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اگر کوئی مسلم ملک شریعت کی منشا کے خلاف مسلم پرسنل لا میں کوئی تبدیلی کر دے یا اس کو ختم کر کے کوئی غیر اسلامی کوڈ نافذ کرے تو نہ شرعًا وہ اس کا مجاز ہے اور نہ اس سے دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے لئے کوئی قابلِ تقلید مثال قائم ہوتی ہے۔ پھر اگر ترکی کی مثال دی جاتی ہے تو ان ممالک کی مثال کیوں نہیں دیجاتی

جنھوں نے اسلام کے عائلی اور وراثتی قوانین میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے۔ ایسے ممالک کا ہم اوپر تذکرہ کر چکے ہیں اور جو ایک دو نہیں ہیں بلکہ ان کی تعداد کافی ہے۔

اسلام کے عائلی اور وراثتی قوانین کو ختم کرنے کی جرأت تو اب تک اسرائیل کی حکومت بھی نہیں کر سکی ہے۔ ترکوں کا ۱۹۱۷ء کا بنایا ہوا عائلی قانون (Ottoman Law of Family Rights 1917) جو شریعت کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا اور جس کو بعد میں ترکی کی حکومت نے ۱۹۲۶ء میں ختم کر دیا تھا اب تک اسرائیل میں مسلمانوں کے لئے نافذ العمل ہے۔ بجز اس کے کہ اسرائیل کی حکومت نے اس کو عام ملکی قوانین کے تابع رکھا ہے۔

رہی پاکستان کی مثال جس کو تبدیلی کے حامی بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں تو واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں اب بھی مسلم پرسنل لا ہی نافذ ہے نہ کہ سیکولر سول کوڈ۔ البتہ ۱۹۶۱ء کے عائلی قانون کے ذریعہ چند "اصلاحات" کی گئی ہیں۔ ان "اصلاحات" کی نوعیت بھی زیادہ تر انتظامی ہے یا بعض کو قاعدے اور ضابطے کی شکل دے دی گئی ہے۔ موٹی موٹی "اصلاحات" میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شادی کو رجسٹر کرانا ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن ایسا نہ کرنے پر شادی قانوناً ناجائز نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے کچھ سزا تجویز کی گئی ہے۔ دوسری "اصلاح" یہ کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کے لئے آربیٹریشن کونسل (Arbitration Council) سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے لیکن ایسا نہ کرنے پر کچھ سزا تجویز کی گئی ہے نہ کہ دوسری شادی کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ایک سے زائد شادی پر کلی طور سے پابندی عائد نہیں کی گئی ہے۔ تیسری یہ کہ طلاق کے سلسلے میں مرد پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ آربیٹریشن کونسل کو اس کی اطلاع دے۔ یہ کونسل شوہر اور بیوی کے درمیان مفاہمت کی کوشش کرے گی۔ اس سے واضح ہے کہ اس قانون نے مرد کے ہاتھ سے طلاق کا اختیار چھین نہیں لیا ہے بلکہ ایک

ضابطہ کے ذریعہ مفاہمت کا ایک موقع فراہم کر دیا گیا ہے۔ چوتھی "اصلاح" وراثت کے سلسلے میں ہوئی ہے اور وہ یہ کہ یتیم پوتے اور یتیم پوتی کو حصہ دلوایا گیا ہے بقدر اس حصہ کے جو ان کے باپ کے زندہ رہنے کی صورت میں دادا کی جائداد میں انہیں ملتا۔ ان "اصلاحات" پر شرعی نقطۂ نظر سے کلام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستان میں ایسا نہیں ہوا کہ مسلم پرسنل لا کی تنسیخ عمل میں آئی ہو اور اس کی جگہ غیر اسلامی کوڈ نافذ کر دیا گیا ہو اور نہ ہی مسلم پرسنل لا میں بڑے پیمانہ پر کوئی تبدیلی کی گئی ہے۔

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ان تبدیلیوں کی پاکستان کے علماء نے پُر زور مخالفت کی تھی اور عوام نے سخت احتجاج کیا تھا لیکن وہاں کی آمرانہ حکومت نے جمہور کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیا۔ آمرانہ حکومت کی یہ مثال ہمارے جمہوری ملک کے لئے کس طرح دلیل بن سکتی ہے!

مزید برآں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ پاکستان کی حکومت نے یہ ترمیمات مسلمانوں کے پرسنل لا میں کی ہیں جبکہ مسلمان وہاں اکثریت میں ہیں لیکن کیا پاکستان کی اقلیت کے پرسنل لا میں مداخلت کی گئی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر پاکستان میں مسلم پرسنل لا میں کی گئی ترمیمات سے ہندوستان کے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے لئے جب کہ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کس طرح جواز نکل آتا ہے؟

○

# یکساں سول کوڈ کے خدوخال

یکساں سول کوڈ بنانے میں اگر حکومت کامیاب ہوگئی تو اس کا دائرہ صرف ایک سے زائد شادی کی ممانعت تک محدود نہیں ہوگا بلکہ اس کے دائرہ میں شادی، خلع، فسخ اور وراثت جیسے تمام امور آجائیں گے اور ان کے سلسلہ میں جو ضابطہ (Code) بنایا جائے گا اس کا اطلاق تمام شہریوں پر ہوگا بلا لحاظ اس کے کہ کون مسلمان ہے اور کون ہندو اور کون عیسائی ہے اور کون پارسی۔ یہ قانون سازی ہر قسم کے مذہبی قیود سے آزاد ہوگی۔ اس لئے اس کا تصادم فقہاء کے اجتہادات اور امت کے اجماع ہی سے نہیں ہوگا بلکہ اس کی زد میں قرآن وسنّت کے صریح احکام بھی آئیں گے۔

یکساں سول کوڈ کس قسم کے ضوابط پر مشتمل ہوگا اس کا جواب اگرچہ کہ اس وقت ملے گا جبکہ خدانخواستہ یکساں سول کوڈ بنانے کی نوبت آئے گی۔ لیکن یہ کوڈ جن خطوط پر تشکیل پائے گا وہ نامعلوم اور غیر متعین نہیں ہیں کیونکہ اس کی تشکیل کثرت رائے کی بنیاد پر ہوگی۔ جیساکہ پارلیمنٹ میں قانون سازی کے لئے طریقہ مقرر ہے۔ اس طرح عملاً اکثریتی طبقہ ہی اس کی تشکیل کرے گا۔ اور اکثریتی طبقہ کے ذہن کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ ان ہی خطوط پر سوچتا ہے جو مغربی تہذیب کے خطوط ہیں۔ مثلاً یہ کہ تعدد ازدواج کی ممانعت ہونی چاہیے، طلاق کا اختیار مرد کو نہیں بلکہ عدالت کو ہونا چاہیے، وراثت کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ برابر برابر ہونا چاہیے وغیرہ۔ اور اس بات سے سب واقف ہی ہیں کہ اکثریتی طبقہ نے چند سال قبل ہندو کوڈ بل

پاس کیا تھا جو ہندو میرج ایکٹ (Hindu Marriage Act) اور ہندو سکسیشن ایکٹ (Hindu Succession Act) کی شکل میں نافذ العمل ہے۔ ان قوانین میں اکثریتی طبقہ کا ذہن کھل کر سامنے آگیا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندو کوڈ کے آئینہ میں یکساں سول کوڈ کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید پروفیسر جے. ڈنکن کے، جو لندن یونیورسٹی میں اورینٹل لاز کے پروفیسر ہیں، اس خیال سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار انہوں نے انڈین سول کوڈ کے موضوع پر کیا ہے وہ لکھتے ہیں !۔

> The Civil Code promised in Article 44 of the Constitution is like the 'Hindu Code of which we have spoken before, a misnomer, but a convenient one. (Religion Law and the State in India by J. Duncan P. 546)

"جس سول کوڈ کا دستور کی دفعہ (۴۴) میں وعدہ کیا گیا ہے وہ ہندو کوڈ کی طرح ہے جس کے بارے میں ہم اس سے پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ اگرچہ کہ (ہندو کوڈ) نام کے اعتبار سے غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے. لیکن موزوں (سول کوڈ) یہی ہے۔"

جب اکثریتی طبقہ کا ذہن اور انداز فکر معلوم ہے تو اس سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ یکساں سول کوڈ بناتے وقت اس سے بالکل مختلف فیصلے کرے گا! جزئیات اور تفصیلات میں ممکن ہے کچھ فرق ہو جائے لیکن اصولی فیصلے وہی ہوں گے جو ہندو کوڈ کی شکل میں موجود ہیں۔ بالفاظ دیگر ہندو کوڈ کو قدرے ترمیم کے ساتھ یکساں سول کوڈ (Uniform Civil Code) کی حیثیت دی جائے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ موجودہ ہندو کوڈ کا جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ یہ مسلم پرسنل لا سے کس قدر مختلف اور متصادم ہے۔

ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء (Hindu Marriage Act 1955) جس کا

عوامی نام ہندو کوڈ بے کی رو سے ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی جاسکتی ہے جبکہ اسلام عدل کی شرط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دیتا ہے اور یہ اجازت گوناگوں مصلحتوں کی بناپر دی گئی ہے۔ بعض حالات میں دوسری شادی کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اگر کسی کی بیوی دائم المریض ہے یا اس سے اولاد نہیں ہے تو مرد کے سامنے دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اسکو طلاق دے دے اور دوسری عورت سے نکاح کرے۔ اور دوسری صورت یہ کہ اس کو اپنی زوجیت میں رکھتے ہوئے دوسری شادی کرے۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت کے مقابلہ میں دوسری صورت بہتر ہے۔ لیکن اگر تعدّد ازدواج پر پابندی عائد کی گئی تو لوگ پہلی صورت اختیار کرنے کیلئے مجبور ہونگے۔ اور ظاہر ہے یہ صورت عورت کے حق میں مفید نہیں ہوگی۔

بیواؤں کے مسئلہ کے حل کے تعلق سے بھی تعدّد ازدواج کی گنجائش رکھنا ضروری ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام نے جو کہ سرتاپا تقویٰ اور استعفاف کا دین ہے۔ مرد کو ناجائز راہوں سے بچانے کے لئے تعدّد ازدواج کی راہ کھلی رکھی ہے۔ لہذا اس جائز راہ کو مسدود کرنا ناجائز راہوں کو کھولدینے کا باعث ہوگا اور مغربی تہذیب نے یہی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ قانونی طور پر یک زوجگی پر اصرار ہے لیکن غیر قانونی طور پر اجنبی عورتوں کے ساتھ "تعلقات" پیدا کئے

---

Any Marriage between two Hindus solemnized after commencement of this Act is void, if at the date of such marriage either party had a husband or wife living; and the provisions of Section 494 and 495 of the Indian Penal Code shall apply accordingly. (Section 17)

واضح رہے کہ دوسری شادی کرنے پر انڈین پینل کوڈ میں سات سال قید کی سزا تجویز کی گئی ہے۔

جاسکیں سب کے لئے گنجائش ہے بلکہ مغربی تہذیب فنون لطیفہ رقص و سرود وغیرہ کے ذریعہ جنسی بے راہ روی کا بھرپور سامان کرتی ہے اور ایسے جذبات پیدا کرتی ہے کہ آدمی ایک عورت پر قناعت نہ کرے لیکن دوسری طرف یک زوجگی کو قانوناً نافذ کرنا چاہتی ہے مغربی تہذیب کے ان علمبرداروں کو آخر کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تعدد ازدواج کی جائز راہ کو مسدود کریں۔

طلاق کے سلسلہ میں بھی ہندو کوڈ اسلام کے قانون طلاق کے صریح خلاف ہے اور تہذیب جدید سے ہم آہنگ ہے۔ اس نے طلاق کا اختیار مرد کو نہیں بلکہ عدالت کو دیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے یا بیوی طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے تو شوہر یا بیوی کو عدالت میں درخواست دینا ہوگی۔ اگر عدالت کوڈ میں مندرج وجوہ میں سے کسی وجہ کو بنیاد قرار دے کر طلاق کی ڈگری ( Decree ) دیدیتی ہے تو دونوں میں تفریق ہو جائیگی لیکن کوئی عدالت طلاق کی کسی ایسی درخواست پر غور نہیں کریگی جو شادی کے تین سال کے اندر پیش کی گئی ہو۔

اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ ہندو کوڈ دونوں باتوں کی نفی کرتا ہے یعنی نہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار ہے اور نہ بیوی کو خلع حاصل کرنے کا بلکہ دونوں اس بات کے پابند ہیں کہ اپنا معاملہ عدالت میں لے جائیں۔ اس میں جو قباحت ہے وہ ظاہر ہے۔ عورت اور مرد کے معاملات کو ہمیشہ عدالت کے سامنے لانا کوئی مناسب بات نہیں ہے اور پھر قانونی طور پر الزام ثابت کر دکھانا بھی آسان نہیں ہوتا۔ لیکن اس طرح کی قانونی پیچیدگیاں پیدا کرنے کا نتیجہ یا تو یہ ہوگا کہ مرد طلاق کے چکر میں پڑنے کے بجائے بیوی کو معلق چھوڑ دیگا اور اس کی زندگی تنگ کردے گا یا پھر اس پر جھوٹے اور گھناؤنے الزام لگا معاملہ عدالت میں لے جائے گا تاکہ عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرسکے۔ اسی طرح عورت کے لئے یہ دشواری پیدا ہوگی کہ اگر وہ مرد سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو تو خلع کا آسان راستہ اختیار نہ کرسکے گی بلکہ اس کو عدالت کے چکر کاٹنا پڑیں گے۔

اور اگر عدالت کا فیصلہ اُس کے حق میں نہ ہو سکا تو پھر اُس شوہر کے ساتھ اس کے نباہ کی کیا صورت ہو گی جس کے خلاف وہ اپنا معاملہ عدالت میں لے گئی تھی؟ اگر دُور رس نتائج کو نگاہ میں رکھا جائے تو وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ سے چھین لینا اور عدالت کو تفویض کرنا عورت کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے مضر ہی ہو گا۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ سے چھین لیا گیا لیکن کسی مسلمان نے پھر بھی شرعی طریقہ پر اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی تو اس صورت میں عملاً کیا ہو گا؟ قانون تو اس طلاق کو تسلیم کرنے سے رہا۔ گویا اسے قانونی طور پر طلاق کے بعد بھی اپنی بیوی بنائے رکھنا ہو گا۔ درآنحالیکہ شرعاً وہ اس کی بیوی نہیں رہی! اسی طرح اگر مرد یہ دیکھے کہ اس کی بیوی آشنائیاں کر رہی ہے لیکن عدالت میں اس کا ثبوت بہم نہ پہنچا سکتا ہو اور طلاق کا اختیار اس سے چھین لیا گیا ہو تو وہ اُسے اپنی بیوی بنائے رکھنے پر مجبور ہو گا۔ یہ صورت ایک مسلمان کیلئے جس کی نگاہ میں اخلاق اور پاک دامنی زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں کس قدر پریشانی کا باعث ہو گی۔

نان نفقہ کے سلسلہ میں ہندو کوڈ میں کہا گیا ہے کہ عدالت کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جب تفریق کرائی جائے گی تو مرد اور عورت دونوں کے معاشی حالات کو سامنے رکھ کر عدالت مرد یا عورت پر نان نفقہ کی ذمہ داری اس وقت تک کے لئے عائد کر سکتی ہے جب تک کہ درخواست دہندہ دوسری شادی نہ کر لے یا دونوں میں ایک کا انتقال نہ ہو جائے گا۔ گویا انصاف اور مساوات کا تقاضا یہ قرار پایا کہ جس طرح مرد پر نان نفقہ کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے۔ عورت پر بھی ڈالی جائے اور اگرچہ دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق باقی نہیں رہا لیکن نان نفقہ کی ذمہ داری پھر بھی باقی رہ سکتی ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ طلاق کو زیادہ سے زیادہ مشکل بنا دیا جائے لیکن یہ نہیں سوچا جاتا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ ایسی صورت میں جبکہ مرد بیوی کو

رکھنا نہ چاہتا ہو اور اس کو چھوڑنے میں بھی غیر معمولی دشواریوں کا سامنا ہو تو وہ عورت کی زندگی کو تلخ بنائے رکھنے کا بھرپور سامان کر سکتا ہے۔

وراثت کے سلسلے میں ہندو سکیشن ایکٹ ۱۹۵۶ء (Hindu Succession Act 1956) نافذ العمل ہے اس کو بھی عام طور سے ہندو کوڈ کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بنیاد ہندو شاستر پر نہیں بلکہ جدید نظریات پر رکھی گئی ہے۔ اس کوڈ میں وراثت کی تقسیم کے لئے جو ضوابط بنائے گئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

(۱) وراثت سب سے پہلے اول طبقہ کے ورثاء میں تقسیم کردی جائے گی اور اول طبقہ کے ورثاء میں لڑکا، لڑکی، بیوہ، ماں، پوتا اور پوتی جن کے والد کا دادا کی زندگی میں انتقال ہو گیا ہو شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو برابر کا حصہ ملے گا البتہ پوتوں اور پوتیوں کو مشترکہ طور سے صرف ایک حصہ ملے گا۔

(۲) اگر اوّل طبقہ کے ورثاء موجود نہ ہوں تو وراثت دوسرے طبقہ کے ورثاء میں تقسیم کردی جائے گی اور اس میں درجہ اول کو درجہ دوم پر اور درجہ دوم کو درجہ سوم پر ترجیح دی جائے گی۔ درجہ اول میں صرف باپ وارث ہے۔ درجہ دوم میں پوتی کا لڑکا اور لڑکی، بھائی اور بہن ہیں۔ درجہ سوم میں نواسے کا لڑکا اور لڑکی اور نواسی کا لڑکا اور لڑکی شامل ہیں۔ درجہ چہارم میں بھتیجا، بھانجا، بھتیجی اور بھانجی شامل ہیں۔ درجہ پنجم میں دادا اور دادی، درجہ ششم میں باپ کی بیوہ اور بھائی کی بیوہ اور درجہ ہفتم میں چچا اور پھوپھی شامل ہیں۔

(۳) میت اگر عورت ہے تو اس کی جائداد اولاً لڑکوں، لڑکیوں (بشمول پوتوں اور پوتیوں کے جن کے والد کا انتقال دادی کی زندگی میں ہوا ہو اور جن کا حصہ مجموعی طور سے اپنے متوفی باپ کے حصہ کے برابر ہوگا) اور شوہر کے درمیان تقسیم ہوگی۔ دوسرے درجہ میں

شوہر کے ورثار میں، تیسرے درجہ میں ماں اور باپ میں۔ چوتھے درجہ میں باپ کے ورثار میں اور آخری طور سے ماں کے ورثار میں تقسیم ہوگی۔

یہ قانونِ وراثت جس کو شاید قدرے ترمیم کے ساتھ یکساں سول کوڈ کی شکل دی جائے، اسلام کے قانون وراثت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اسلام نے لڑکی کا حصہ لڑکے کی بہ نسبت نصف رکھا ہے جس کے وجوہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں لیکن تہذیب جدید نے حقائق کو نظر انداز کر کے مساوات کا اندھا اصول قائم کیا ہے جس کی رو سے مرد اور عورت دونوں کو ایک ہی سطح پر رکھا جا رہا ہے اور اسی تہذیب کے زیر اثر ہندو کوڈ میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ برابر برابر مقرر کر دیا گیا ہے ورنہ ہندوؤں میں عورتوں کو حصہ دینے کا رواج ہی کہاں تھا؟ گویا ایک انتہا وہ تھی اور دوسری انتہا یہ ہے۔ لیکن اسلام کی راہ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی ہے۔

اسلام نے بیوی کا حصہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{4}$ اور اولاد ہونے کی صورت میں $\frac{1}{8}$ مقرر کیا ہے۔ ماں کا حصہ اولاد ہونے کی صورت میں $\frac{1}{6}$ اور اولاد نہ ہونے کی صورت $\frac{1}{3}$ مقرر کیا ہے لیکن ہندو کوڈ میں ماں اور بیوہ لڑکا اور لڑکی سب کا حصہ برابر ہے۔

اسلام نے باپ کا حصہ اولاد ہونے کی صورت میں $\frac{1}{6}$ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوی اور ماں کو دینے کے لعد بقیہ مال کا وارث باپ کو قرار دیا ہے اور اگر ان میں سے کوئی زندہ نہ ہو تو باپ پورے مال کا وارث ہوگا۔ لیکن ہندو کوڈ میں باپ کو دوسرے طبقہ کے ورثار میں رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے طبقہ کے ورثار مثلاً لڑکا، لڑکی، بیوی اور ماں کی موجودگی میں باپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ تہذیب جدید کا تصور انصاف یہ ہے کہ ماں کو حصہ لازماً ملنا چاہیئے باپ کو دینے کی کیا ضرورت!

اسلام نے قریب ترین رشتہ داروں کی موجودگی میں دوسرے رشتہ داروں کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا ہے۔ البتہ ان کے لئے ⅓ کی حد تک وصیت کی گنجائش رکھی ہے اور یتیم پوتے کے مسئلہ کا حل بھی اس میں موجود ہے لیکن ہندو کوڈ میں اس سے مختلف ترتیب اختیار کی گئی ہے اور قریب ترین رشتہ داروں کی موجودگی میں دوسرے رشتہ داروں کو حصہ دلوایا گیا ہے۔

موجودہ ہندو کوڈ میں اگرچہ کہ اسلام کے قانونِ وراثت سے فائدہ اٹھایا گیا۔ مثلاً لڑکیوں کو حصہ دلوانا وغیرہ۔ لیکن یہ کوڈ اسلام کے ضابطہ وراثت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ لہٰذا اگر اس نے یکساں سول کوڈ کا مقام حاصل کر لیا تو مسلمانوں کے لئے طرح طرح کے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ کسی رشتہ دار کو شرعی حصہ سے کم حصہ ملے گا اور کسی کو اس سے زیادہ ملے گا اور کوئی محروم ہو جائے گا۔ یہ صریح طور سے ظلم و زیادتی کی بات ہوگی جس کو شریعت کے مقررہ حصہ سے زیادہ ملے گا وہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس مال کا حصول حق تلفی کی بنیاد پر ہوگا لیکن یکساں سول کوڈ کے حامی مسلمانوں کو حرام مال کھانے کے لیے مجبور کرنا چاہتے ہیں!

○

# انڈین سکسیشن ایکٹ

اوپر ہندو کوڈ کی مثالیں اس لئے پیش کی گئیں تاکہ یکساں سول کوڈ کے خدوخال واضح ہوسکیں لیکن اگر کسی کو اس بات پر اصرار ہو کہ یکساں سول کوڈ کو ہندو کوڈ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے تو اس سے قطع نظر انڈین سکسیشن ایکٹ ۱۹۲۵ء (Indian Succession Act 1925) اور اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء (The Special Marriage Act 1954) کے آئینہ میں بھی یکساں سول کوڈ کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔

انڈین سکسیشن ایکٹ مسلمان، ہندو، بدھ، جین اور سکھ فرقوں کو مستثنیٰ کر کے بقیہ تمام شہریوں کے لئے نافذ العمل ہے۔ اس ایکٹ میں وراثت کا جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

(۱) وصیت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ کوئی شخص بھی اپنی پوری جائداد کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔ (Section 59)

(۲) اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی اور اس کے پسماندگان میں اولاد اور بیوہ ہے تو اسکی بیوہ کو ۱/۳ اور اولاد کو ۲/۳ ملے گا۔ (Section 33 to 43)

(۳) اگر اس نے اولاد نہیں چھوڑی ہے تو بیوہ کو ۱/۲ ملے گا اور بقیہ حصہ دوسرے رشتہ داروں کو۔

(۴) اگر اس نے بیوہ نہیں چھوڑی ہے تو پوری جائداد اس کی اولاد میں تقسیم کی جائے گی،

اور اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسرے رشتہ داروں میں اور اگر دوسرے رشتہ دار بھی موجود نہ ہوں تو وارث حکومت ہوگی۔

(۵) شوہر کو اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ شوہر کی جائداد میں بیوہ کو ملتا ہے۔

(۶) اولاد کے درمیان حصے برابر برابر تقسیم ہوں گے۔ یعنی لڑکی اور لڑکے کا حصہ برابر ہوگا۔

(۷) اولاد میں سے اگر کوئی میت ہے تو اس کا حصہ نکالا جائیگا اور وہ پوتے اور پوتی کو ملے گا۔

(۸) اگر میت کے اولاد نہیں ہے تو بیوہ کا حصہ نکالنے کے بعد جائداد کی تقسیم اس طرح ہوگی:-

ا۔ اگر باپ زندہ ہے تو وہ پوری جائداد کا وارث ہوگا۔

ب۔ اگر باپ زندہ نہیں ہے تو ماں، بھائی اور بہن کے درمیان جائداد برابر برابر تقسیم ہوگی۔

یہ ایکٹ بھی اسلام کے ضابطۂ وراثت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اسلام نے وصیت کا حق صرف $\frac{1}{3}$ کی حد تک دیا ہے لیکن مذکورہ ایکٹ پوری جائداد کی وصیت کا حق دیتا ہے اسلام نے لڑکی کا حصہ لڑکے کی بہ نسبت نصف مقرر کیا ہے۔ لیکن اس ایکٹ نے دونوں کے حصہ میں یکسانیت پیدا کی ہے۔ اسلام نے بیوی کا حصہ اولاد موجود ہونے کی صورت میں $\frac{1}{8}$ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{4}$ مقرر کیا ہے لیکن اس ایکٹ نے بیوی کا حصہ $\frac{1}{2}$ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{2}$ مقرر کیا ہے۔ اسی طرح شوہر کے لئے بھی $\frac{1}{2}$ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{2}$ مقرر کیا ہے جبکہ اسلام کے ضابطۂ وراثت میں شوہر کا حصہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{4}$ اور اولاد کے موجود ہونے کی صورت میں $\frac{1}{2}$ مقرر کیا گیا ہے۔

اسلام نے اولاد کی موجودگی میں والدین کا بھی حصہ مقرر کیا ہے لیکن مذکورہ ایکٹ اولاد کی موجودگی میں والدین کو وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر انڈین سکیشن ایکٹ ۱۹۲۵ء نے یکساں سول کوڈ کی جگہ لے لی تو مسلمانوں کا پورا نظام وراثت بدل جائے گا اور ایک ایسا قانون ان کے سر پر مسلط ہوگا جو شریعت سے بنیادی طور پر متصادم ہے اور درحقیقت حق وانصاف کے بھی خلاف ہے۔

# اسپیشل میرج ایکٹ

اسپیشل میریج ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت کوئی بھی مرد اور عورت شادی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ میریج افسر کے سامنے اس بات کا اعلان کریں کہ وہ اس ایکٹ کے تحت شادی کر رہے ہیں اور یہ اعلان باقاعدہ تحریری شکل میں ہو۔

اس ایکٹ کی خاص خاص باتیں جو شرعی قوانین کے خلاف ہیں درج ذیل ہیں:-

(۱) ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا جرم ہے جسکی سزا سات سال تک کی قید ہے۔

(۲) چچا زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، خالہ زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی سے شادی کرنا ممنوع ہے۔

(۳) طلاق کا اختیار صرف عدالت کو ہے۔ مرد یا عورت جو بھی طلاق دینا چاہتا ہو من جملہ ان وجوہ کے جو ایکٹ میں مذکور ہیں کسی وجہ کو بنیاد قرار دے کر طلاق کی درخواست عدالت کو دے سکتا ہے اور اگر عدالت بیان سے مطمئن ہو جاتی ہے تو شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دے گی۔

(۴) اگر عورت اور مرد دونوں تفریق چاہتے ہیں تب بھی انہیں عدالت ہی سے طلاق حاصل کرنا ہوگی۔

(۵) طلاق کی کوئی درخواست شادی کے بعد تین سال گذرنے سے پہلے پیش نہیں کی جا سکتی۔

(۶) عدالت کے ذریعہ تفریق کی صورت میں جب تک کہ ایک سال نہ گذر جائے کوئی فریق دوبارہ شادی نہیں کر سکتا۔

(۷) عدالت کے ذریعہ تفریق کی صورت میں مرد کو عورت کا نفقہ اس وقت تک دینا ہوگا جب تک کے عورت دوسری شادی نہیں کر لیتی یا اس کا انتقال نہیں ہو جاتا۔

(۸) جو شخص اس ایکٹ کے تحت شادی کرے گا، وراثت کے سلسلہ میں اس کی جائداد پر انڈین سکسیشن ایکٹ ۱۹۲۵ء کا اطلاق ہوگا۔

# مسلمانوں کا موقف

ہندو کوڈ، انڈین سکیشن ایکٹ اور اسپیشل میرج ایکٹ کا مختصراً جو جائزہ پیش کیا گیا اس سے چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں - ایک یہ کہ تینوں ایکٹ جس ذہن کی تخلیق ہیں یکساں سول کوڈ بھی اسی ذہن کی تخلیق ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جس ذہن نے ایک چھوڑ تین تین شریعتیں تصنیف کی ہوں وہ بڑی بے باکی کے ساتھ ایک چوتھی شریعت بھی یکسان سول کوڈ کے نام سے تصنیف کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ عائلی مسائل کے سلسلہ میں اکثریتی طبقہ کا انداز فکر وہی ہے جس کا سبق تہذیب جدید نے دیا ہے۔ چوتھے یہ کہ مذکورۂ بالا تینوں قوانین میں جدید رجحانات و نظریات کار فرما ہیں اور آخری بات یہ کہ ان حقائق کی موجودگی میں یکساں سول کوڈ کی نوعیت کے بارے میں اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے! اسکے خدوخال بالکل واضح ہیں اور مذکورہ تینوں ایکٹ اس کی عکاسی کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مسلمان جو اسلام کو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین مانتا ہو اور مسلم پرسنل لا کو شریعت کا اہم جز تسلیم کرتا ہو، مسلم پرسنل لا کا مخالف اور یکساں سول کوڈ کا حامی کیسے ہو سکتا ہے ؟ وہ مسلم پرسنل لا میں کسی ایسی تبدیلی کی بھی تائید نہیں کر سکتا جو کتاب و سنت کے منشار کے خلاف محض تہذیب جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کی غرض سے کی جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں مسلم رائے عامہ بیدار ہے اور وہ مسلم پرسنل لا میں کسی ایسی تبدیلی کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور مزید شکر کی بات یہ ہے کہ مسلم خواتین جن کے بارے میں مسلم پرسنل لا کے مخالفین یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ شرعی قوانین سے تنگ آگئی ہیں اور بیزار ہیں وہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں آگئی ہیں - چنانچہ

انہوں نے بمبئی، ناگپور، ناندیڑ، پربھنی، حیدرآباد، پونا، احمدآباد، لکھنؤ، الٰہ آباد، بنگلور، کلکتہ اور کانپور میں بڑے بڑے اجتماعات منعقد کرکے اور ہزاروں کی تعداد میں شریک ہو کر مسلم پرسنل لا کی حمایت میں پُرزور آواز اٹھائی ہے اور ببانگ دہل یہ ایمان افروز اعلان کر دیا ہے کہ شرعی قوانین سے وہ پوری طرح مطمئن ہیں اور وہ اُن کے لئے کافی وشافی ہیں۔

مسلم پرسنل لا کی اس اہمیت اور اس کی دینی حیثیت نیز اس کی تائید میں مسلمانوں کی رائے عامہ کے پیش نظر اس کو ختم کرنے یا اس میں تبدیلی کرنے کا مطالبہ جس طبقہ کی طرف سے بھی ہو صحیح نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کے تو کسی طبقہ کو اس قسم کا مطالبہ زیب ہی نہیں دیتا۔ رہے غیر مسلم تو وہ بھی اگر مسلمانوں کے مسائل اور ان کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو مسلمانوں کے ساتھ وسعت کا معاملہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے اور مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں مسلمانوں کے موقف کے بارے میں کسی بدگمانی میں مبتلا نہیں ہوں گے بلکہ اس کو ان کی مذہبی ذمہ داری پر محمول کریں گے۔ اسی طرح حکومت کو بھی مسلمانوں کا موقف ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیئے جو دین میں مداخلت کے مترادف ہو، بلکہ زیادہ سے زیادہ مذہبی اور تہذیبی آزادی کا ثبوت دے کر جمہوریت کے استحکام کا سامان کرنا چاہیئے۔

# اصلاح کا صحیح طریقہ

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلم معاشرہ دینی لحاظ سے جس تنزل کا شکار ہے اس کے نتیجہ میں اس کی معاشرتی زندگی میں بھی طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ نہ مرد عورتوں کے حقوق ٹھیک طور سے ادا کرتے ہیں اور نہ عورتیں مردوں کے حقوق ٹھیک طور سے ادا کرتی ہیں۔ قوام ہونے کی حیثیت سے مرد کو اسلام نے جو اختیارات دئیے ہیں ان کا بیجا استعمال بھی ہوتا رہتا ہے لیکن اس کی کوئی ذمہ داری اسلام اور اسکی شریعت پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اسکی تمام تر ذمہ داری معاشرہ کے افراد پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ صورت حال دراصل اسلام کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس کا یہ الٹا علاج تجویز کرنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس بگاڑ کی ذمہ داری شرعی قوانین پر ڈال کر غیر شرعی قوانین کو اصلاح کا ذریعہ بنایا جائے۔ آخر مسلمانوں کی زندگی کا کونسا شعبہ ایسا ہے جس میں بگاڑ نہیں پایا جاتا۔ اگر ہر بگاڑ کی ذمہ داری اسی طرح شرعی احکام پر ڈالی جانے لگے تو پھر اسلام ہی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور ہر مرض کا علاج تہذیب جدید کے اندر تلاش کرنا ہوگا۔ اسلام سے یہ بدگمانی اور تہذیب جدید سے یہ حسن ظن زہر ہلاہل کو قند سمجھنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟

اصل میں معاشرہ کی اصلاح کے لئے لوگوں کے اندر خدا ترسی کا جذبہ پیدا کرنے اسلام کی تعلیمات سے انہیں واقف کرانے، ان کی اخلاقی حس کو بیدار کرنے اور مقصد زندگی کا شعور ان کے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کو وہ نظام حیات کی حیثیت سے اپنا سکیں اور

زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کر سکیں لیکن اس کے ساتھ اس ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معاشرہ کی موجودہ حالت کے پیش نظر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ شرعی قوانین کا کہاں تک صحیح طور سے انطباق ہو رہا ہے اور بالخصوص عورتوں کو جس صورت حال سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اس کے پیش نظر طلاق، خلع وغیرہ مسائل پر غور کیا جائے اور ایسی تدابیر کی نشاندہی کی جائے جس سے ان کی مشکلات رفع ہو سکیں۔ اگر حالات وظروف کے پیش نظر شریعت کے منشار کو پورا کرنے کے لئے کتاب وسنت کے حدود کے اندر پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق ضوابط بنائے جاتے ہیں تو اسلام میں اس کی گنجائش یقیناً موجود ہے لیکن یہ کام ہر کس و ناکس کے کرنے کا نہیں ہے اور نہ اُن لوگوں کے کرنے کا ہے جو نئی تہذیب سے مرعوب ہیں اور جن پر سیاسی مصلحتوں کا غلبہ ہے۔ ایسے لوگ اگر اجتہاد کرنے کے لئے بیٹھ گئے تو شریعت کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیں گے بلکہ یہ کام اُن لوگوں کے کرنے کا ہے جو دین کا وسیع علم اور اس میں گہری بصیرت رکھتے ہوں، صلاح وتقویٰ کی زندگی گذارتے ہوں اور حالاتِ حاضرہ پر بھی نگاہ رکھتے ہوں۔ خدا کے فضل سے ایسے حضرات اسکی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور اجتماعی طور سے ان خطوط پر غور وفکر کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ اس طرح پیش آمدہ مسائل کے حل کی صحیح صورتیں اور موزوں تدابیر سامنے آسکیں گی۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

## ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

- شرکت و مضاربت کے شرعی اصول ۲/=
- غیر سودی بنک کاری ۴/=
- اسلام کا عدلِ اجتماعی (زیرِ طبع)
- اسلام کا معاشی نظام ۵۰ پیسے
- اسلام کا نظریۂ ملکیت (زیرِ طبع)

## متین طارق

- اسلامی زندگی کے نشانِ راہ ۵،
- نیک بیبیاں اوّل ۵۰ پ
- " دوم ۴۰
- پیاری بیٹی کے نام ۱
- گڈو کے نغمے ۴۰ پیسے
- گڑیا کی نظمیں ۵۰

## وصی اقبال

- گرتی دیواریں ۱/۷۵
- بہاریں لوٹ آئیں گی ۱/-

## ماہر القادری

- دُرِّ یتیم ۵/=
- کاروانِ حجاز ۳/=

# مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

بھرت نمائش دہلی آرٹ پریس گیرو دریاگنج دہلی میں چھپا